



ایوان صدر میں میری گفتگو کا خلاصہ

مفتی منیب الرحمن

16 جنوری 2018ء کو ایوان صدر میں جو مجلس قائم ہوئی، اگر اس پر ”پیغام پاکستان“ کا بوجھ نہ ڈالا جاتا اور براہ راست فتوے کے پیغام کو پوری قوت سے پھیلا یا جاتا، تو اس سے بہتر نتائج برآمد ہوتے۔ چنانچہ اصل مخاطبین یعنی تحریک طالبان پاکستان نے فتوے کے پیغام کو ہی اصل مقصد سمجھا اور اپنا جوابی بیانیہ فتوے کی صورت میں پیش کیا ہے، جس میں انہوں نے پاکستانی افواج کے سامنے برضا و رغبت سرینڈر کرنے والے اپنے سابق ساتھیوں کو بے ہمت، ضعیف الایمان اور افغانستان کی طرف اپنی ہجرت برباد کرنے والے قرار دیا ہے، اگر ان کا موقف من و عن پیش کر دیا جائے تو یہ الزام لگے گا کہ ان کی ترجمانی کی جارہی ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ان کا موقف کسی کو اپیل نہیں کرتا تو جناب اور یا مقبول جان کا آرٹیکل بعنوان ”جمہوریت، اسلام اور پاکستان“ پڑھ لیجیے۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ جمہوریت اپنی روح کے اعتبار سے سیکولر ہے، تاہم جب تک دستور کے آرٹیکل 2 میں ہر قسم کی قانون سازی کو قرآن و سنت کے تابع قرار دینے کی لازمی شرط موجود ہے، یہ آرٹیکل ہماری جمہوریت کو قانون سازی کی حد تک پابند کر کے دیگر سیکولر دساتیر سے ممتاز کرتا ہے۔ لیکن جب تک آرٹیکل 2 کو پورے دستور پر بالادست اور غیر متبدل نہیں مانا جائے گا، اس سے انحراف کا امکانی خطرہ موجود ہے، کیونکہ قانون سازی پارلیمنٹ کے اختیار میں ہے اور اُسے دو تہائی اکثریت سے دستور میں ترمیم کا حق بھی حاصل ہے۔ ماضی میں سابق چیف جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ اس حوالے سے ایک خطرناک ریمارکس دے چکے ہیں کہ آئین کا کوئی آرٹیکل دوسرے آرٹیکل کو Overlap نہیں کر سکتا، یعنی بالادست نہیں ہے۔ افغانستان کے صدر جناب اشرف غنی اور اسلام آباد میں افغانستان کے سفیر جناب عمر زخیوال نے یہ نہیں کہا کہ ہمیں بھی ایک ”پیغام افغانستان“ مرتب کر کے دیدیجیے، بلکہ یہ کہا کہ ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی فتویٰ جاری کرادیجیے۔ ظاہر ہے کہ اس فتوے کے اصل مخاطب تحریک طالبان پاکستان اور اُن کی فکر سے متاثرہ لوگ ہیں۔

میں نے اسی لیے اپنی مختصر گفتگو میں کہا تھا: ہمیں فلسفیانہ گفتگو کرنے کی بجائے براہ راست درپیش مسئلے پر بات کرنی چاہیے اور وہ مسئلہ یہ ہے: ”داعش، القاعدہ یا تحریک طالبان پاکستان جو بھی نام دیں، اُن کا بیانیہ یا موقف یہ ہے کہ جمہوریت کفر ہے، پاکستان کا دستوری نظام کفر ہے اور اس کے خلاف جہاد فرض ہے۔ پاکستان کی پارلیمنٹ، مسلح افواج اور پوری اسٹیبلشمنٹ کفر

وارداد کے اس نظام کی محافظ ہے۔ پس جو عوام اس کفریہ نظام کو مٹانے کے لیے میدانِ عمل میں نہیں آ رہے، بالواسطہ وہ بھی کفر کے حامی ہیں اور جو علماء اُن کے نظریے کے حامی بن کر اس پورے ریاستی اور دستوری نظام کے خلاف آواز بلند نہیں کرتے یا جہاد نہیں کرتے، اُن کا بھی یہی حکم ہے، سوان سب کے خلاف جہاد واجب ہے۔“ میں نے اپنے فتوے میں بھی اسی بنیادی نکتے کو موضوع بنایا، کیونکہ ہمارا دستور قرآن و سنت کی بالادستی کا حامی ہے، ریاست کو پابند کرتا ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہ بنے، ریاست اپنے عوام کو اسلامی احکام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے حالات کو سازگار بنائے اور سہولتیں فراہم کرے۔ لہذا اپنے دستوری میثاق کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اس کی ہیئتِ مقتدرہ یعنی اسٹبلشمنٹ جب تک علانیہ احکام الہی کو رد نہ کرے، اس پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، البتہ اپنے دستوری میثاق پر پورا نہ اترنے یا من و عن شریعت الہی پر عمل نہ کرنے کے سبب وہ خالق اور خلق کے سامنے جوابدہ رہیں گے۔ مزید یہ کہ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے پُر امن طریقے سے نفاذِ شریعت کے لیے آواز بلند کرنا یا جد و جہد کرنا دستور کا تقاضا بھی ہے اور جمہوری اقدار کے منافی بھی نہیں ہے۔ لہذا ہم پورے نظام کو کفر قرار دینے کے بیانیے کو رد کرتے ہیں۔“

لیکن بعد کے خطابات روایتی انداز اختیار کر گئے اور چونکہ فتوے پر ”پیغام پاکستان“ کا بوجھ لا دیا گیا تھا، لہذا فتویٰ پس پشت چلا گیا اور پیغام پاکستان کی قصیدہ خوانی اصل موضوع بن گئی، حالانکہ یہ کاوش بنیادی طور پر فتوے کے اجراء کے لیے کی گئی تھی، لیکن کچھ عناصر کریدٹ لینے کے لیے ایسے مواقع پر قابض ہو کر اصل مشن کو غارت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تحریک طالبان پاکستان کا جوابی بیانیہ یا موقف بعنوان: ”الْحَارِثُ عَلَى الْمَارِقِ (دین سے نکلنے والے کے لیے آتشیں ہتھیار)“ سامنے آیا، اس سے میرے موقف کی تائید ہوگئی، میں نے اپنی گفتگو میں یہ بھی کہا کہ ہمارے اصل دشمن وہ ہیں جو بیرون ملک اپنی کمین گاہوں میں بیٹھ کر ہمارے وطن عزیز کے اندر قتل و غارت کے منصوبے بنا رہے ہیں، ہماری سلامتی کے اداروں کے اہلکاروں اور بے قصور لوگوں کو قتل کر رہے ہیں، ہماری دفاعی تنصیبات پر حملے کی منصوبہ بندی کر کے اپنے کارندوں کے ذریعے اس پر عمل درآمد کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ہماری سرحدوں کے اندر بیٹھ کر دہشت گردی کی کارروائیاں کر رہے ہیں۔ اس کے لیے وہ اُسی بیانیے کو بنیاد بناتے ہیں، جس کا میں نے ابتدا میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ میں نے کہا: ہماری مسلح افواج نے ضربِ عضب اور رد الفساد کے نام سے ان باغی عناصر کے خلاف جو آپریشن شروع کر رکھا ہے، ہم اس کی حمایت کرتے ہیں۔ میں نے اپنی گفتگو میں بتایا: اسلام میں کفر و شرک کے بعد قتلِ ناحق سب سے بڑا گناہ ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم میں قتل کے پہلے واقعے کا پس منظر بیان کر کے فرمایا: ”اسی سبب ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس شخص نے قصاص یا فساد فی الارض کے بغیر کسی (بے قصور) جان کو قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے ایک (بے قصور) جان کو بچایا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچالیا اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول روشن معجزات لے کر آئے، پھر اس کے باوجود بہت سے لوگ زمین میں حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو چن چن کر قتل کیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیے جائیں یا اُن کو زمین سے نکال دیا جائے، یہ اُن کے لیے دنیا میں رسوائی

ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے، سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے تمہارے ان پر غلبہ پانے سے پہلے توبہ کر لی ہو، سو جان لو کہ اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے، (المائدہ 32-34)۔“

اس آیت کی رو سے فساد فی الارض اور قتل ناحق بہت بڑا جرم ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن نے دیگر جرائم کے مقابلے میں اس کی سزا بھی سب سے سخت اور عبرت ناک مقرر کی ہے۔ یہ بھی واضح فرمادیا کہ شریعت انسانی جان کو تحفظ دیتی ہے، لیکن قتل ناحق اور فساد فی الارض کا مجرم اس تحفظ کا حق دار نہیں ہوتا، کیونکہ وہ خود اپنی جان کی حرمت کو اپنے عمل سے مباح کر چکا ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”سو اگر مومنوں کا ایک گروہ دوسرے کے خلاف بغاوت کرے، تو بغاوت کرنے والے گروہ سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئیں، سو اگر وہ (اللہ کے حکم کی طرف) لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل اور انصاف کے ساتھ صلح کرو، (الحجرات: 9)۔“

الغرض فساد فی الارض اور مسلمانوں کے نظم اجتماعی کے خلاف، جو ریاست کو قرآن و سنت کے مطابق قانون سازی کا پابند بناتا ہے، صلح بغاوت کو طاقت سے چلنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اگر یہ لوگ مغلوب ہونے سے پہلے توبہ کر لیں یا امر اللہ یعنی حکم شرعی کی طرف لوٹ آئیں، تو ان کے ساتھ مصالحت کی گنجائش موجود ہے۔ میں نے اپنی گفتگو میں یہ بھی کہا: گزشتہ دو تین سال سے امام الحج اور ائمہ حرمین طہیین ان باغی گروہوں کو خارجی اور تکفیری قرار دے رہے ہیں، ہم ان ائمہ کرام کی اس رائے کا خیر مقدم کرتے ہیں، لیکن اُن سے ہمیں گلہ ہے کہ ہم گزشتہ تقریباً پندرہ سال سے اس آگ میں جل رہے ہیں، اگر ہمارے دکھ کو انہوں نے اپنا دکھ سمجھا ہوتا اور روز اول سے یہ فتویٰ جاری کر دیا ہوتا، تو شاید اس آگ کے شعلے اُن کی سرحدوں تک پہنچنے سے پہلے بجھ چکے ہوتے، لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہاں سے ان گروہوں کو کسی نہ کسی انداز میں تائید اور نظریاتی و مادی تقویت بھی ملتی رہی۔ لیکن اب چونکہ اس آگ کے شعلے ان کی سرحدوں پر دستک دے رہے ہیں، اس لیے ان کی تپش کو انہوں نے محسوس کیا اور یہ فتویٰ جاری کیا، سو ہم کہتے ہیں: اگرچہ ”بہت دیر کی مہرباں آتے آتے“، لیکن پھر بھی دیر آید درست آید۔ لیکن اب بھی فکری اور استدلالی سطح پر منظم انداز میں تسلسل کے ساتھ کام نہیں ہو رہا، جبکہ یہ فکر بہت سے ذہنوں میں راسخ ہو چکی ہے اور مرض مزمن کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ پس جو اعتقادی بیماری دل دماغ میں پیوست ہو جائے اور ٹیومر کی شکل اختیار کر لے، تو اس کے لیے بہت جامع اور بے رحم آپریشن کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن علامہ غلام محمد سیالوی نے بتایا کہ چائے کے وقفے کے دوران ایک عالم کہہ رہے تھے کہ یہ ”پیغام پاکستان“ امریکی مفادات کی تکمیل کے لیے ہے۔ میں نے اپنی گفتگو میں یہ بھی کہا تھا: اقلیت کی اصطلاح ترک کر دینی چاہیے، کیونکہ یہ ایک اضافی اصطلاح ہے اور اس سے احساس محرومی کا تاثر پیدا ہوتا ہے، ہمیں غیر مسلم پاکستانی کی اصطلاح رائج کرنی چاہیے، کیونکہ ہر پابند آئین و قانون غیر مسلم پاکستانی کو جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو صدر ممنون حسین یا مجھے یا کسی اور کو حاصل ہیں۔